رباعیاتِ اقبالؒ

غلام مرتضیٰ آزاد، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، اسلام آباد

رباعیاتِ اقبالؔ کو سمجھنے اور ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لئے پہلے رباعی کی تعریف نشین کر لینا ضروری ہے۔

مضامین جلیلہ کو آسان اور مؤثر الفاظ سے ان چار مصرعوں میں بیان کرنا جو بحر ہزج کے چوبیس اوزان میں سے کسی ایک وزن پر ہوں۔

مندرجہ بالا عبارت میں تین خط کشیدہ الفاظ رباعی کی دلکش عمارت کے تین رکن ہیں۔ ان م ایک رکن گرا دیا جائے تو ساری عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔

۱ - مضامین جلیلہ سے ہماری مراد، مسائل اخلاق، مسائل فلسفہ، مسائل تصوف، مسائل تمد مسائل مذہب اور وارداتِ عشق ہے۔

تلوک چند محرومؔ کی رباعیات پر علامہ اقبالؔ نے جو دیباچہ لکھا ہے اس کا ایک اقتباس کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ خود علامہ اقبالؒ مضامینِ جل کیا مراد لیتے تھے۔

"مدح و ذم، عشق و تصوف، مذہب و اخلاق اور پند و نصائح کے مضامین جس اسلوبی، دلفریبی اور اختصار کے ساتھ فارسی رباعی میں ادا ہوئے ہیں وہ کسی د زبان میں ادا نہ ہو سکے۔"

۲ - چار مصرعہ، رباعی کے چار مصرعوں میں سے پہلے دو مصرعوں اور چوتھے مصرعہ کا ہم قاف ضروری ہے، تیسرا مصرعہ کبھی ہم قافیہ ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ میرے مطالعہ تک کوئی ایسی رباعی نہیں گزری جس کے مذکورہ بالا تین مصرعے ہم قافیہ نہ

ر ہزج - انتہائی ترنم ریز اور نشاط انگیز بحر ہے شاید اسی وجہ سے رباعی کے لئے اس کو منتخب کیا گیا ہے - وزن ہے :

مفاعی لن ، مفاعی لن ، مفاعی لن ، مفاعی لن -

ب سرسری اندازے کے مطابق علامہ اقبال کی رباعیات کی مجموعی تعداد ۵۸۹ ہے ، جن ۵۳ فارسی اور ۵۲ اردو کی رباعیات ہیں -

دیکھ کر قارئین کو حیرت ہوگی کہ علامہ اقبال کی جملہ رباعیات ہیں ، رباعی کی ایک شرط اد - فارسی رباعیات میں دو شرطیں مفقود ہیں - علامہ اقبال کی جملہ رباعیات ، مفاعی لن ، ن ، فعولن یا فعولان کے وزن پر ہیں - (اگرچہ یہ وزن بحر ہزج ہی سے متعلق ہے) لیکن نے اسے استعمال نہیں کیا - اوپر بتایا جا چکا ہے کہ رباعی کے تین مصرعوں کا ہم قافیہ ردری ہے - علامہ اقبال کی بعض فارسی رباعیات میں یہ شرط بھی نہیں پائی جاتی - ان شرائط م موجودگی میں یہ بات محلِ نظر ہے کہ اقبال کی رباعیات کو رباعیات کہیں یا قطعات - تسلیم کرنا پڑے گا کہ اقبال نے اپنے ان قطعات یا رباعیات (جنہیں اقبال خود رباعی سمجھتے ہیں) پر جس وزن کا انتخاب کیا ہے وہ بلا کا ترنم خیز ہے -

باعتبارِ مضمون رباعیاتِ اقبال کی تقسیم اور تشریح سے بیشتر ایک نکتہ کا اجمالی طور پہ ذہن ن کر لینا ضروری ہے - رباعی ، جیسا کہ جملہ شعراء کا اتفاق ہے مشکل ترین صنف سخن ہے - مین کے تلاطم خیز قلزم بے ساحل کو ایک ساغر بنا دینا کوئی آسان کام نہیں - رباعی شاعر پروازِ تخیل کی معراج ، قوتِ فکر کی حد ، ژرف بینی کی انتہا ، قدرتِ کلام کا امتحان اور تجرباتِ ن کا نچوڑ ہے -

مضامین کے اعتبار سے اقبال کی رباعیات کو ہم مختلف عنوانات میں تقسیم کر سکتے ہیں :-

مذہبی رباعیات

مذہبی رباعیات سے مراد وہ رباعیات ہیں جن میں علامہ اقبال نے مابعد الطبیعیات اور الٰہیات تعلق اپنے عقائد پیش کئے ہیں ، وجودِ باری پر اپنے مخصوص انداز میں دلائل دیئے ہیں ، اللہ تعالیٰ بارگاہ میں گریہ وزاری کی ہے ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ہدیۂ عقیدت

پیش کیا ہے۔ اور قرآن مجید کی کسی آیت یا حدیث کے کسی حصہ کی تشریح کی ہے۔

مثلاً علامہ اقبالؔ کی یہ رباعی ؎

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم　　　چمن زادیم و از یک شاخساریم

تمیز رنگ و بو بر ما حرام است　　　کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

مذہبی رباعی ہے۔ قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی تعلیمات پیش کی ہیں۔

اور درج ذیل رباعی

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر　　　حریمِ کبریا سے آشنا کر

جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے　　　اُسے بازوئے حیدر بھی عطا کر

بھی مذہبی رباعی ہے اِس لئے کہ اس میں بارگاہِ ایزدی سے خلوصِ قلب کے ساتھ التجا کی گئی ہے کہ مسلمان قوم کی حالت سُدھر جائے۔

متصوفانہ رباعیات

وہ رباعیات جن میں مسائل تصوف یعنی وحدۃ الوجود، مظاہر خداوندی، تجلیاتِ الٰہی کی بوقلمونی، نمود بے نمود، مشاہدۂ الٰہی، ذکرِ الٰہی، فیضانِ الٰہی، عظمتِ انسان، طہارتِ نفس، تحفظِ نفس، ضبطِ نفس، بقائے روح، عظمتِ قلب، تزکیۂ قلب، مرشد کی ضرورت، مقاماتِ سلوک، لذتِ سلوک، عشقِ حقیقی، مراقبہ، بے ہمہ و با ہمہ، جلوت میں خلوت، حاسۂ باطنی، ترکِ خودی، کفر کی حقیقت، وجہِ تخلیقِ عالم، خدا اور مخلوق کا تعلق وغیرہ مضامین کا بیان ہو، مثلاً

دمِ عارف نسیمِ صبح دم ہے　　　اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے

اگر کوئی شعیب آئے میسّر　　　شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اخلاقی رباعیات

اخلاقی رباعیات میں عموماً ترکِ دنیا، قناعت، توکل، تواضع، خاکساری، عفو، علم، جود و سخا کی ترغیب اور ریاکاری سے نفرت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اقبالؔ زندگی کے طوفان سے بھاگ نکلنے کے قائل نہیں۔ اس لئے انہوں نے ترکِ دنیا کی بجائے استقلال کی تعلیم دی۔ تواضع اور خاکساری کی بجائے ان کے ہاں خودی کی تعلیم و تلقین پائی جاتی ہے، وہ فقر کے قائل تھے

با فقر جو باہمہ تہی دستی محسودِ امیری اور سجدہ گاہ کج کلاہی ہو۔

حکیمی نامسلمانی خودی کی کلیمی رمزِ پنہائی خودی کی

تجھے گر فقر و شاہی کا بتادوں غریبی میں نگہبانی خودی کی

ماجی و سیاسی رباعیات

ماجی رباعیات میں اپنی قوم کا رونا رویا جاتا ہے اور سیاسی رباعیات میں جملہ اقوامِ عالم کا۔ سے پہلے اُردو اور فارسی کے شعراء سماجی رباعیات میں چرخِ کج رفتار کے ظلم وستم کا رونا رتے تھے اور بس۔ اقبالؔ نے اس روایت کو بدل دیا۔

دگرگوں کشورِ ہندوستان است دگرگوں آں زمین و آسمان است

مجواز ما نمازِ پنجگانہ غلاماں را صف آرائی گران است

اصلاحی رباعیات

اس سے مراد وہ رباعیات ہیں جن میں علامہ اقبالؔ نے قوم کے زاویۂ فکر و نظر کو درست کرنے کی کوشش ہے، انہیں عصا بدست اندھوں کی طرح غیر اقوام کی رذیل عادات و اخلاق کی کورانہ تقلید سے باز کی تلقین کی ہے، آپس کی خطرناک ناچاقیاں دُور کر کے نفسِ واحدہ بن جانے کی اپیل کی ۔اور بعض ایسے رسم و رواج جو قوم کے ذہنی، سماجی اور سیاسی حالات کو تباہی سے دوچار کر ہے تھے ان کی بھرپور الفاظ میں مذمت کی ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ اقبالؔ نے نوجوان، ملّا، پیر، صوفی، شاعر اور عورت کی اصلاح پر خاص زور دیا ہے۔

یقیں مثلِ خلیل آتش نشینی یقین اللہ مستی خود گزینی

سن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار غلامی سے ہے بدتر بے یقینی

رندانہ رباعیات

رندانہ رباعیات میں ہم ان رباعیات کو بھی لے آئے ہیں جن میں علامہ اقبالؔ نے حالتِ رندانہ کیفیتِ مستانہ میں جنّت، دوزخ اور حشر وغیرہ کا ذکر کیا ہے، خدا سے شوخیاں کی ہیں اور ں کہیں خدا کو مخاطب کر کے اپنی شانِ بے نیازی کا اظہار کیا ہے۔

خدائی اہتمامِ خشک و تر ہے خداوندا خدائی دردِ سر ہے

ولیکن بندگی استغفر اللہ ۔ یہ دردِ سر نہیں دردِ جگر ہے

زعیمانہ رباعیات

وہ رباعیات جن میں اقبالؔ نے بنی نوعِ انسان کو علی العموم اور مسلمان قوم کو بالخصوص، خوابِ غفلت سے بیدار کرنے، جمود و تعطل اور غیر اقوام کی غلامی کی زنجیریں توڑ دینے، اپنے ماحول پر غور کرنے، اتفاق و اتحاد پیدا کرنے، دنیا پہ چھا جانے اور کائنات کی حدود پھلانگ جانے کا حیات بخش نغمہ سنایا ہے۔

دلِ بے باک را ضرغام رنگ است ۔ دلِ ترسندہ را آہو پلنگ است
اگر بیمے نداری بحر صحرا است ۔ وگر داری بہر موجش نہنگ است

حکیمانہ رباعیات

اس سے ہماری مراد وہ رباعیات ہیں جن میں اقبالؔ نے مظاہرِ فطرت یا تاریخی واقعات سے کوئی نتیجہ اخذ کیا ہے۔

گلہ از سختی ایام بگذار ۔ کہ سختی ناکشیدہ کم عیار است
نمی دانی کہ آب جوئبارں ۔ اگر بر سنگ غلطد خوشگوار است

ظریفانہ رباعیات

میرے خیال میں اس عنوان کی تشریح کی چنداں ضرورت نہیں۔ مثال ملاحظہ ہو ؎

برہمن را نگویم ہیچ کارہ ۔ کند سنگِ گراں را پارہ پارہ
نباید جز بہ زور دست و بازو ۔ خدائے را تراشیدن زخارہ

ذاتی رباعیات

رباعیات کی وہ قسم ہے جن میں شاعر اپنے متعلق کچھ بتاتا ہے، دیگر شعراء کی ذاتی رباعیات میں فخریہ رباعیات بھی شامل ہیں، اقبالؔ کو جو مقام حاصل تھا وہ شاعرانہ تعلّی سے بلند تھا۔ البتہ قوم کو علامہ صاحب کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں، ان کے ازالہ کے لئے اقبالؔ کو اپنے ہی الفاظ میں اپنا تعارف کرانا پڑا ؎

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں ۔ غلام طغرل و سنجر نہیں میں

جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن　　کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

تفسرانہ رباعیات

عجب افکار کی وادی میں سفر کرتا ہے تو ایک مقام وہ بھی آتا ہے جسے مقامِ تحیّر کہا ۔اس مقام پر شاعر کبھی اپنے آپ سے اور کبھی سارے جہان سے سوالات کرتا ہے لیکن یہ جواب حاصل کرنے کے لئے نہیں ہوتے بلکہ اظہار تحیّر کے لئے ہوتے ہیں۔ ایسی رباعیات نے مستفسرانہ رباعیات کا نام دیا ہے یعنی وہ رباعیات جن میں اقبالؔ نے بیانیہ (NARRATIVE) کی بجائے سوالیہ (INTERROGATIVE) اندازِ کلام اختیار کیا ہے۔ اقبالؔ نے یہ استفسار اپنے بھی کیا ہے، خدا سے بھی اور اپنی قوم سے بھی۔

درونم جلوۂ افکار ایں چیست؟　　برون من ہم اسرار ایں چیست؟
بفرما اے حکیم نکتہ پرداز　　بدن آسودہ جاں سیار ایں چیست؟

فلسفیانہ رباعیات

رباعیاتِ اقبالؔ کے گنج گراں مایہ میں فلسفے کا حصہ معلوم کرنے سے قبل فلسفے کی حقیقت فلسفہ و اقبالؔ کا باہمی تعلق معلوم کرنا بے حد ضروری ہے۔ فلسفہ، جیسا کہ مسلّم ہے تلاشِ کا نام ہے دانش مندی کا نہیں۔ اس لحاظ سے فلسفی دانش ور نہیں بلکہ جویائے دانش ہے۔ جویائے دانش (فلسفی) کون سی دانش کی تلاش میں رہتا ہے اور ابھی تک اس نے کیا کچھ معلوم کیا اس کی حقیقت تو علومِ قطعیہ کے ماہرین سے پوچھئے۔ البتہ فلاسفہ کی آراء کا مطالعہ نے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ فلسفی نے مابعد الطبیعیات مثلاً مسئلہ علم و وجود، صداقت و کذب، مسئلہ خیر و شر، مسئلہ زمان و مکان اور ذہن و بدن کے مابین تعلق کا وغیرہ۔ حقائق کو معلوم کرنے میں اپنی تمام تر ذہنی قوتیں صرف کر ڈالیں، لیکن اسے ابھی تک معلوم نہ ہو سکا کہ تیر متحرک ہے یا ساکن۔ اصل وجود محسوس ہے یا قوت۔

قطعی علوم نے انسان کی معاشی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا اور مذہبی علوم اس کی معاشرتی و اخلاقی زندگی کو تسلی بخش حد تک خوشگوار بنا دیا لیکن بے چارہ بوڑھا فلسفہ انگشت بدنداں، ششدر و حیران اس انقلاب کو دیکھتا ہی رہ گیا۔

گویا فلسفہ شکوک وشبہات، حیرت اور گومگو کی اس کیفیت کا نام ہے جس میں قوتِ عمل مضمحل اور قوائے عمل شل ہو جاتے ہیں۔

اقبال مسلمان گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور دولتِ یقین و ایمان سے مالا مال۔ یونیورسٹی کی زندگی میں انہیں مطالعۂ فلسفہ کا کچھ نشہ سا ہو گیا تھا جس کی تسکین کے لئے مے خانۂ مشرق کے بعد وہ مے خانۂ مغرب کی طرف متوجہ ہوئے (ع۔ بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے مے خانے) لیکن اس کے نرالے دستور اور بے ذوقیٔ صہبا سے جلد بدمزہ ہو گئے اور جب وطن واپس آئے تو دولتِ یقین و ایمان سے مالا مال تھے۔

نیاز فتح پوری صاحب لکھتے ہیں:

"یورپ میں انہوں (اقبال) نے یونانی فلاسفہ کا از سرِ نو مطالعہ کیا۔ حکمائے اسلام کے نظریوں پر پھر انتقادانہ نگاہ ڈالی، مغرب کے فلاسفۂ جدید کے افکار پر غور کیا، اشراقیین اور متصوفین کے خیالات پر نگاہِ غائر ڈالی اور آخر کار جب وہ یورپ سے واپس آئے تو ایک مخصوص نظریۂ حیات، ایک متعین فلسفۂ زندگی کا شعور لے کر لوٹے۔" (نگار۔ اقبال نمبر)

ایک اور واقفِ حال کی رائے ہے:

"گیا تھا فلسفی بننے کے لئے، آیا نوعِ انسانی کے لئے پیامبر بن کر، گیا تھا سازِ عقل لے کر آیا سوزِ عشق لے کر"

یہ مخصوص نظریۂ حیات، یہ متعین فلسفۂ زندگی، یہ سوزِ عشق کیا چیز تھی، اس کی وضاحت خود اقبال کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"جو کچھ میں کہتا ہوں وہ فلسفۂ حقۂ اسلامیہ ہے، نہ کہ فلسفۂ مغربی۔"

(مقالاتِ اقبال۔ مقالہ ۱۲)

فلسفۂ حقۂ اسلامیہ، عشق و یقین کے مجموعہ کا نام ہے اور یہی ہے رباعیاتِ اقبال کا پیغام۔

رباعیاتِ اقبال میں فلسفے کا حصہ معلوم کرنے کے لئے درج ذیل دو رباعیاں قابلِ غور ہیں:

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر — شریکِ زمرۂ لایحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں — مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

گریز آخر ز عقل ذو فنوں کرد — دلِ خود کام را از عشق خوں کرد
ز اقبالِ فلک پیما چہ پرسی — حکیمِ نکتہ دانِ ما جنوں کرد

، کے بعد مجھے یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ رباعیاتِ اقبال میں غمزدہ فلسفہ کا کوئی
۔ اقبال قوم کو شکوک و شبہات کے بجائے عشق و یقین کی تعلیم دینے آئے تھے۔ ان کا
ل نہیں تھا جہد و عمل تھا۔

کے تحت تقسیم میں ہم نے رباعیاتِ اقبال کا مطالعہ کیا ہے، آئیے اب اقبال کی رباعیا
ئیب پر بھی کچھ غور کریں۔

یسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے، مشکل ترین صنفِ سخن ہے ..... اقبال نے
، صنفِ سخن میں فصاحت و بلاغت کے جو گلزارِ رشکِ ارم پیدا کئے ان کا حسن اور
ار ہے۔ ایک ایک پھول کو مختلف پہلوؤں سے دیکھا اور جنت نگاہ کا سامان حاصل کیا
ہران گل ہائے خوش نما پر تشبیہ، استعارہ، کنایہ، تلمیح، تضمین، تعریض اور حدِ ایجاز
ی تعریف کے لئے دفتر درکار ہے۔

اعیات ہوں یا سیاسی و سماجی، زعیمانہ و حکیمانہ اشعار ہوں یا رندانہ و عاشقانہ، یہ
، اور ساغر ہیں لیکن ان سب پیمانوں میں ایک ہی شراب ہے جس کے جرعات پینے والے
لاقی امراض دور کر کے سرمستِ جہد و عمل کر دیتے ہیں۔ یہ "مئے برنا" اقبال کہاں سے
رباعیات میں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

بخود باز آورد رندِ کہن را — مے برنا کہ من در جام کردم
من ایں مئے چوں مغانِ دور بیشیں — زچشمِ مستِ ساقی وام کردم

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم — حدیثِ عشق بے باکانہ گفتم
شنیدم آنچہ از پاکانِ امت — ترا با شوخیٔ رندانہ گفتم

اقی سے وام کردہ اور پاکانِ امت سے شنیدہ چیز کلام اللہ اور احادیثِ رسول اللہ

نہیں تو اور کیا ہے ؟ یہی وہ منبع ہے جہاں سے کلامِ اقبالؔ کے چشمے پھوٹتے ہیں اور اسلامی تعلیمات کا نغمہ سناتے ہوئے کشتِ قلوب کو سیراب کرتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ رباعی :

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم   چمن زادیم و از یک شاخساریم

تمیزِ رنگ و بو بر ما حرام است   کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

آیت انما خلقنکم من نفس واحدۃ اور آیت انما المؤمنون اخوۃ کی تشریح و تفسیر ہے۔

اور یہ :

دمادم نقشہائے تازہ ریزد   بیک صورت قرارِ زندگی نیست

اگر امروز تو تصویرِ دوش است   بخاکِ تو شرارِ زندگی نیست

آنحضرتؐ کے ارشاد من ساوی یوماہ فھو مغبون کا فصیح و بلیغ ترجمہ ہے۔

حسنِ کلام اور قبولِ سخن ایک خداداد چیز ہے۔ اس نعمتِ خداوندی کا جتنا حصہ اقبالؔ رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب ہوا، کم کسی کو ملتا ہے۔ اقبالؔ کے خیابانِ حیات کی دلکشی اور ان کے الہام صفت کلام کی دل نشینی پر اس قدر مقالات اور تصانیف شائع ہو چکی ہیں کہ اس پر اضافہ شاید ممکن نہ ہو۔ لیکن افسوس اور قدرے حسرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اقبالیات پر لکھنے والوں میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جو کلامِ اقبال کے مطالب و مفاہم کو کما حقہ سمجھ کر قارئین کے ذہن نشین کرا سکیں۔

کلامِ اقبالؔ ایک بحرِ بیکراں ہے۔ اس کے محاسن و محتویات گرفت کی وسعت سے زیادہ ہی ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں بھی رباعیاتِ اقبالؔ کی فنی خوبیوں کو کما حقہٗ حیطۂ تحریر میں نہ لا سکا۔ یہ اعتراف ہی میری طرف سے اقبالؔ کو سب سے بڑا خراجِ عقیدت ہے۔